

دلت کے دفاع کا مسئلہ

شریعت کی روشنی میں



موجودہ حالات میں تحت ظمت
اور اپنے دفاع کے مسئلہ پر
جب غور کیا جاتا ہے تو کئی مسائل
اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس مختصر
کتابچہ میں انہیں مسائل کا شرعی
نقطہ نظر سے جائزہ لیا گیا

==

عبدالعزیم اصلاحتی

Rs. 5.00

ناشر

الْأَقْصَى سَعِيدُ أَبَادٍ حَيِّدُ رَابَادٍ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موجودہ صورت حال

ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات انگریزی دور حکومت میں بھی ہوتے تھے لیکن آزادی ہند کے بعد فسادات کے عنوانات میں اضافہ ہوا، نوعیت اور شدت میں اضافہ ہوا اور تعداد میں بے انتہا اضافہ ہوا۔ ایک عام مردے کے مطابق تقسیم ملک کے بعد تقریباً دس ہزار فساد ہو چکے ہیں باوجود اس کے کہ قومی یکجہتی پیدا کرنے کی کوششیں برابر ہوتی رہی ہیں۔ اب صورت حال انتہائی سنگین ہو گئی ہے۔ مسلم دشمنی کی انتہا کا یہ عالم ہے کہ راجیو گاندھی حکومت اور وی۔ پی۔ سنگھ کو زوال کا منہ صرف اس لئے دیکھنا پڑا کہ مسلم دشمن طبقہ کے خیال میں یہ دونوں حکومتیں مسلمانوں کو خوش کرنے کی پالیسی اپنائے ہوئے تھیں جبکہ راجیو گاندھی کی حکومت میں عدالتی حکم کے ذریعہ بابر مسجد پوجا پاٹ کے لئے کھول دی گئی اور مسجد کے بازو میں موقوفہ زمین پر مندر کی بنیاد رکھی گئی۔ اور وی۔ پی۔ سنگھ کی حکومت میں پولیس اور نیم فوجی کپنیوں کی موجودگی میں بابر مسجد کو نقصان پہنچایا گیا اور مسجد کے مینار پر گھو ا جھنڈا لہرایا گیا۔ اور ساتھ ہی اس حکومت نے بھی مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے کوئی گنجائش نہیں پیدا کی۔ اس کے بعد تیسری حکومت چندرشیکھر حکومت کو کھلے طور پر دھمکی دی جا رہی ہے کہ اگر تم نے مسلمانوں کو خوش کرنے کی روش اختیار کی تو تمہاری موت بھی یقینی ہے۔

بی۔ جے۔ پی۔ لیڈر مسٹر اے بریندر سابق ایم ایل اے نے شادنگریں ایک جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے مرکزی حکومت پر الزام عائد کیا کہ اقلیتوں کی خوشنودی کی خاطر مسئلہ بابری مسجد رام جتیم بھومی کو فرقہ وارانہ رنگ دے رہی ہے راجیو گاندھی اور وی۔ پی۔ سنگھ حکومتوں کے خاتمہ کے اسباب بتلاتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان حکومتوں نے اقلیتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، انہوں نے مرکزی حکومت کو انتباہ دیا کہ وہ اقلیتوں کو خوش کرنے کی پالیسی ترک کر دے ورنہ اس کا وہی حشر ہوگا۔ جو ماضی کی حکومتوں کا ہو چکا ہے (اردو نامہ)

اس دھمکی کے ساتھ ایک دوسرا دھمکی آمیز دعویٰ سنئے، ایک لیڈر صاحب کہتے ہیں اقلیتوں کی حفاظت حکومت نہیں کر سکتی، ان کی حفاظت صرف اکثریت کر سکتی ہے؟ گویا اقلیتوں کو انتباہ دیا جا رہا ہے کہ حکومت پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں اگر انہیں محفوظ رہنا ہے تو اکثریت کی فضا کو سمجھیں اور اس کا لحاظ کریں۔

اس صورت حال پر جب ہم غور کرتے ہیں تو اپنے آپ کو یہ کہنے پر مجبور پاتے ہیں

فساد نہیں دو قومی جنگ

کہ اب ہندوستان میں جو کچھ ہو رہا ہے اسے فرقہ وارانہ فساد کہنا اور سمجھنا ایک بہت بڑی نادانی ہوگی۔ اور اگر دوسرے لوگ اس کو فرقہ وارانہ فساد کہتے ہیں تو ان کی طرف سے ایک کھلی حقیقت کو جھٹلانے اور مسلمانوں کو دھوکہ میں رکھنے کے ہم معنی ہے۔ فرقہ وارانہ فساد کا اطلاق کسی وقتی اور جذباتی واقعہ کی وجہ سے پیدا ہونے والی گڑ بڑ پر ہوتا تھا جس کے پیچھے نہ کوئی سیاست ہوتی اور نہ کوئی سازش بلکہ جیسے دوپڑوسیوں میں کسی بات پر ہاتھ پائی صبح کو موٹی اور

شام تک معاملہ ٹھنڈا ہو گیا، در بات آئی گئی ہو گئی، لیکن اس کے برخلاف اس وقت آل انڈیا پیمانہ پر منظم کی گئی تنظیموں کے بنائے ہوئے منصوبوں کے تحت ایک خاص مقصد کے لئے بہت بڑے پیمانہ پر اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ اس مقصد کو ایک جملہ میں یوں ادا کیا جاتا ہے :-

”مسلمان کے لئے دو ہی استھان پاکستان یا قبرستان“ یعنی مسلمانوں

کو یا تو ہندوستان سے نکال دیا جائے یا پھر انہیں زندہ دفن کر دیا جائے۔ مسلمان بن کر یا اپنے جملہ تشخصات کے ساتھ انہیں ہندوستان میں رہنے نہیں دیا جائے گا۔ یہ نعرہ کسی ایک بستی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے کونے کونے میں لگایا جا رہا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ منصوبہ ایک ہمہ گیر منصوبہ ہے۔ اس نعرہ کو سن کر نہ کسی انتظامیہ کو حرکت میں آتے دیکھا گیا اور نہ کسی عدلیہ کے کان پر جوں رہیگی۔

ان وجوہ کی بناء پر اس صورت حال کو فرقہ وارانہ فساد کے بجائے مسلمانوں کی نسل کشی کی ہم اور ایک قوم کے اوپر دوسری قوم کی مسلط کی ہوئی جنگ قرار دینا زیادہ صحیح ہو گا۔

اس میں شک نہیں کہ اس جنگ میں اکثریتی طبقہ کا ایک بہت ہی چھوٹا طبقہ شریک ہے مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیونکہ ۵۷ کروڑ میں سے ایک کروڑ بھی اس ہم پر لگا ہوا ہے تو وہ کافی ہے ما باقی ۴۷ کروڑ پشت پناہ بنا ہوا ہے یا خاموش ہے۔ اس جنگجو دل اور سینا کے خلاف انگلیوں پر گنے کے لائق تعداد

بھی نہیں ہوگی جو کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہی صورت حال تاریخ کے ہر دور میں ہونے والی جنگوں میں آپ کو نظر آئے گی۔ اس لئے کہ کبھی بھی کسی جنگ کے لئے پوری قوم میدان میں نہیں اترتی، اکثریت پیچھے سے تائید کرتی ہے۔ یا تماشاخی ہوتی ہے۔ اس لئے اس موقع پر یہ کہہ کر معاملہ کو ہلکا نہیں کیا جاسکتا کہ یہ فتنہ اٹھانے والے مٹھی بھر میں اور اکثریت خیر پسند ہے۔

حکومت کارول | کہنے کے لئے ہندوستان کا ایک دستور ہے اور اس کی روشنی میں تفصیلی قوانین ہیں جن

کے مطابق ملک کا سارا کاروبار چلایا جاتا ہے۔ اور حکومت سیکولر ہے جو کسی ذات پات اور مذہب کے ساتھ جانبداری اور تعصب سے کام نہیں لیتی۔ اور ہر ایک کو مذہبی آزادی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری سیکولر حکومت اس جنگ میں کیا رول ادا کر رہی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ، ان کی زبانوں کے ساتھ، ان کے بڑے بڑے اداروں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا گیا۔ عام سیول اور فوجی شعبہ جات میں مسلمانوں کے تعلق سے کیا رویہ اختیار کیا گیا۔ ۹ ہزار سے زیادہ فسادات میں ہزاروں بچے قتل ہوئے، ہزاروں عورتیں بیوہ ہوئیں ہزاروں ماں باپ نے اپنے بچوں کو خون میں لت پت اور آگ میں جھلسا ہوا دیکھا لیکن اس سیکولر حکومت نے دو چار مجرمین کو بھی سزائے موت دے کر انہیں ان کے کیفر کردار تک نہیں پہنچایا بلکہ اس کے برعکس یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ان جنگجوؤں کی صرف پشت پناہی نہیں بلکہ ان کی معاونت سرکاری مشینز نے

کی ہے، اور مسلمانوں کو زبردست جانی و مالی نقصانات اسی وقت ہوئے ہیں جب پولیس اور نیم فوجی کمپنیوں نے بحالی امن و امان کے لئے کارروائی کی ہے آزادی کے بعد سے سینکڑوں مسجدیں غیر مسلموں کے زیر تصرف ہیں جن کو چالیس سال کے اندر سیکولر حکومت آزاد نہ کرا سکی۔ بابرہ مسجد میں بتوں کی پوجا جہالتی فیصلہ کے تحت ہو رہی ہے۔ اور عدالتی فیصلہ کی رو سے کوئی مسلمان نہ اس میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ نماز پڑھ سکتا ہے، ان وجوہ کی بنا پر حکومت کا وجود موجودہ حالت کو دو قومی جنگ قرار دینے کے لئے مانع نہیں ہو سکتا۔

اس دو قومی جنگ کا ایک بڑا عنوان اور بڑی علامت بابرہ مسجد بن گئی ہے۔ دشواہند و پریشد، بجزنگ دل، بی جے پی اور شیوسینا ایک طرف اور دوسری طرف مسلمان قوم ہے۔ جنگ کی صورت یہ بنتی ہے کہ ایک طرف سے ایک مجمع اٹھتا ہے، لڑتا ہے، آگ لگاتا ہے اور قتل کرتا ہے۔ اس کا مقابلہ دوسری طرف سے ہوتا ہے۔ لیکن بہت کم اس کی نوبت آتی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا جاتا ہے کہ دونوں طرف سے ڈھکے چھپے گلیوں میں اور سڑکوں کے کناروں پر چاقو زنی ہوتی ہے۔ اس جنگ میں عام مسلمانوں یا مسلمانوں کوئی تنظیم دفاع نہیں کرتی بلکہ مسلمانوں میں سے ایک ایسا طبقہ اس میدان میں دفاع کر رہا ہے جو اپنی تعلیم، ذہنی سطح اور مذہبیت کے لحاظ سے انتہائی کم درجہ رکھتا ہے۔ بقیہ اونچے اور اوسط درجہ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر ایک طرف کا ایک آدمی شہر کے مغربی کنارہ پر مارا گیا تو دوسرے گروہ سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کو شہر کے مشرقی کنارہ پر چاقو مارنا گناہ اور شرع کے خلاف ہے۔

مگر ۳ اکتوبر ۹۰ء کے بعد کے حالات اور واقعات نے مسلمانوں کے
سنجیدہ لوگوں کو محض غور کر رکھ دیا ہے اور ان کے سامنے یہ سوال لا کھڑا کیا ہے
کہ مسلمان کیا کریں؟ اور اس ضمن میں مندرجہ ذیل
چند سوالات | سوالات اٹھائے جا رہے ہیں :-

(۱) ایک جگہ مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچایا جائے تو اس کے
جواب میں کیا دوسری جگہ پر دوسرے فریق کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے؟
(۲) ایک مسلمان کو مار دیا جائے تو کیا دوسرے فریق کے کسی فرد کو مارا
جاسکتا ہے۔

(۳) کیا موجودہ آئین اور قانون کی خلاف ورزی کرنے کی گنجائش شرعاً
پائی جاتی ہے؟

(۴) کیا کوئی خفیہ کارروائی کی جاسکتی ہے۔

(۵) کیا اس جنگ کو جہاد کہا جاسکتا ہے؟

ان سوالوں کے دو جواب ہیں دو نقطہ نظر سے۔

پہلا نقطہ نظر | ایک نقطہ نظر سے جواب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بات بھی
از روئے شرع جائز نہیں ہے اس لئے کہ اسلامی

شریعت میں ہر جان کو محترم ٹھہرایا گیا ہے اور ہر کسی کا مال بھی محترم ہے
جس کو ناجائز طریقہ سے ہاتھ لگانا حرام ہے۔ اور مسلمان جس حکومت میں بھی
ہو اس کے قانون کی پابندی کرنا شرعاً ضروری ہے اور کسی کے خلاف کوئی

فقیہ کارروائی تو دور کی بات ہے کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے سرگوشی کرنا بھی منع ہے۔ کسی بے گناہ پر ہاتھ اٹھانا گناہ عظیم ہے۔ شرعی اعتبار سے بدلہ لیا جاسکتا ہے لیکن اسی سے جس نے قصور کیا ہو اور اتنا ہی جتنا اس نے نقصان کیا ہو۔ ایک کا دوسرے سے اور ایک تھپڑ کی جگہ دو تھپڑ مارنے کی اجازت نہیں ہے اور جہاد کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ جہاد کے لئے ایک ضروری شرط امیر المومنین کی اجازت ہے۔ جب ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی امیر ہی نہیں ہے تو اس کی اجازت کا کیا سوال۔ اس لئے ہندوستان میں جہاد نہیں ہو سکتا۔ اور حالات اس قدر سنگین نہیں ہیں کہ اس قسم کے سوالات اٹھائے جائیں۔ اور ان پر شرعی نقطہ سے غور کیا جائے۔

دوسرا نقطہ نظر | دوسرے نقطہ نظر کی ترجمانی یوں کی جاتی ہے کہ حالات اس سے بھی زیادہ سنگین اور نازک ہیں جتنا کہ لفظوں میں ہم بیان کرتے ہیں۔ بلراج مدھوک سے لے کر اڈوانی اور اشوک سنگھل کے بیانات پر غور کیجئے، آریس یس اور شیوسینا کے ساتھ دشواہندو پریشد اور بھرتنگ دل کے دس لاکھ والٹر کی بھرتی پر نظر کیجئے جیل پور کے واقعات کا سلسلہ حالیہ کرنل گنج گونڈا اور بھنور کے المناک حادثات سے جوڑ کر دیکھئے اور کچھ کمپیوٹر کی مدد سے نتیجہ نکال لیتے اور اس کے بعد بھینٹ دی کے انصاری باغ والوں کی رائیں معلوم کیجئے، مراد آباد کے ان والدین سے پوچھیے جنہوں نے اپنے بچوں

کو عید نے نے جوڑے پہنا کر عید گاہ روانہ کیا تھا اور چنڈی لہوا (بجھ) پنا ایس سی کے جواؤں نے خاک و خون میں انہیں تڑپا دیا۔ میرٹھ کے ان بیواؤں کا تاثر معلوم کیجئے جن کے جوان شوہروں کو ترک میں بھر کر پولیس لے گئی اور ایک ندی کے کنارے انہیں گولیوں سے بھون ڈالا۔ پھر بھاگلپور کرنل گنج کے رہباتیوں سے سنگینی حالات معلوم کیجئے جن کے بچوں کی لاشیں کئی دن تک کھیتوں میں پڑی رہیں اور انہیں کوئی اٹھانے والا نہیں تھا۔ اور ساتھ ہی حیدر آباد کے اطراف ان درجنوں مسجدوں کو دیکھئے جن کو ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں منہدم کرنے کی کوشش کی گئی۔ جائے نمازوں کو جلا یا گیا اور قرآنی نسخوں کی بھجرتی کی گئی۔ کیا ہم حالات کی سنگینی اور نزاکت اس وقت محسوس کرینگے جبکہ ملک میں پوری مسلم آبادی کو بھاگلپور اور کرنل گنج بنا دیا جائے گا اور کیا شرعی نقطے نظر سے حالات کا جائزہ اس وقت لیں گے جب کہ وقت نکل چکا ہوگا۔

حالت جنگ کا مفہوم | حالت جنگ کا مفہوم اور معنی کیوں ایک لگا بندھا ذہنوں میں اٹکائے ہوئے ہیں ذرا غور کیجئے ایک حالت جنگ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مکیں مکہ کی نسبت سے تھی اور ایک منافقین اور مدینہ کے یہود سے تھی۔ خلفاء راشدین کے دور میں بھی مختلف ملکوں سے مختلف قسم کی حالت جنگ تھی پوری اسلامی تاریخ میں کہیں یہ سائیت نہیں

ملے گی۔ اپنے ملک میں دیکھئے ایک صدی کے اندر کیسے کیسے حالات بدلے ہیں۔ اور علماء نے کس طرح مسائل پر سوچا ہے اور نتائج اخذ کئے ہیں اور اس کے مطابق حکمت عملی اپنائی ہے۔ شاہ عبدالعزیز، مولانا اسماعیل شہید، سید احمد بریلوی اور مولانا محمود الحسن، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ وغیرہم نے اپنے کو حالت جنگ میں سمجھ کر اقدام کئے ہیں۔ آج فلسطین اور افغانستان میں علماء اہل حق جو کچھ کر رہے ہیں اپنے کو حالت جنگ میں سمجھ کر کر رہے ہیں۔ جن کی جرأت اور پامردی کی آج ہم اپنی آرام گاہوں میں بیٹھ کر داد دیتے ہیں، اس کے پیش نظر ہم کیوں نہ سمجھیں کہ ہم جس حالت جنگ میں گھرے ہوئے ہیں وہ اپنی ایک خاص نوعیت رکھتی ہے۔ ہم کو اسی کو بنیاد بنا کر سوچنا ہے۔

اس سلسلہ میں دو باتوں کا ذکر کرنا ہے۔ ہم نے انگریزوں کے بالکل اسی دور میں ہوش سنبھالا ہے۔ اس وقت ہمیں بتایا جاتا تھا کہ انگریزوں کو ہر طرح نقصان پہنچاتا جائز ہے، حتیٰ کہ بغیر ٹکٹ ٹرین میں سفر کرنا جائز کہا جاتا تھا۔ دوسری بات ریشمی رومال کی تحریک ہے جو ایک خفیہ کارروائی تھی جو برٹش گورنمنٹ کے خلاف کی گئی تھی۔ علماء نے یہ طرز فکر صرف اس لئے نہیں اختیار کیا تھا کہ وہ غیر ملکی ہیں بلکہ اس لئے کیا تھا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، جن کے خلاف جنگ کرنا مسلمان کا فریضہ ہے۔

حالت جنگ کی خصوصیت

حالت جنگ میں کسی کی جان

اور مال محترم نہیں رہتے

اور نہ یہ اصول باقی رہتا ہے کہ جس نے میرے بھائی کو مارا ہے اسی کو
 میں ماروں اور جس نے میرا مال لیا ہے اسی سے میں بدلہ لوں، بلکہ دشمن
 قوم کا ہر فرد دشمن ہے بالخصوص وہ فرد جو جنگجو ہو۔ اس وجہ سے ہندوستان
 میں جو لوگ تین ہزار مساجد کو اپنے نشانہ میں رکھتے ہیں اور جو لوگ مسلمانوں
 کو پاکستان بھیج دینا چاہتے ہیں یا پھر ختم کر دینا چاہتے ہیں ان کے مجموعہ
 کو ہم دشمن کیوں نہ قرار دیں۔ یہ کہنا کہ یہ حکم دینی جنگ میں ہوتا ہے، قومی
 جنگ میں نہیں۔ اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ قومی اور دینی کا کوئی
 سوال نہیں ہے، جب ایک گروہ کا مقابلہ دوسرے گروہ سے ہوگا یہی حکم لاگو ہوگا۔ دوسری
 بات یہ ہے کہ یہ دینی جنگ کیوں نہیں ہے کہ اگر مسلمان اپنی مسلمائیت کی شناخت
 ختم کر دیں تو یہ جنگ ختم ہو جائے گی، ساری لڑائی اسلام اور مسلمائیت کی شناخت سے
 وابستگی کی بنا پر ہے، غور کیجئے ایک گروہ سے نہ ہمارا زمین جائیداد کا جھگڑا ہے نہ لین دین، لیکن
 آبادی پر حملہ آور ہوتا ہے یا انفرادی طور سے ہمارے افراد پر حملہ کیا جاتا ہے
 ہماری مسجد کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ ہندوستان کے کونے کونے سے
 لاکھوں کی تعداد میں جمع ہو کر ایک مسجد کو منہدم کرنے کی کوشش کرتے
 ہیں۔ یہ اس بات کی کھلی علامت اور دلیل ہے کہ ایک قوم دوسری قوم
 کے مقابلہ میں جنگ میں مصروف ہے۔

ایک اہم سوال کے تین جواب | اس مقام پر یہ سوال خود بخود ہمارے
 سامنے آتا ہے کہ ان حالات میں

ہماری کیا حکمت عملی ہونی چاہیے۔ اس کے جواب میں ایک بات یہ بھی جاتی

جاسکتی ہے کہ مسلمان کچھ نہ کریں، حکومت اور اکثریتی طبقہ پر بھروسہ کریں۔ اور دیکھیں کہ وہ کیا کرتے ہیں، اس لئے کہ سب کے خون سفید نہیں ہو گئے ہیں۔ ہمارے کچھ اقدام کرنے سے حالات مزید ابتر ہو جائیں گے اور پھر نقصان ہمارا ہی ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ اس حکمت عملی کے کچھ مفید نتائج نکلیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ یہ حکمت عملی اپنائیں گے انہیں تہ الذلہ و التذلل معاف کریں گے اور نہ تاریخ معاف کرے گی اور نہ ہماری آئندہ نسلیں بخشیں گی، کیونکہ اس کے معنی ہوں گے کہ گزشتہ چالیس سال کے واقعات اور حادثات سے گویا کوئی عبرت نہیں حاصل کی گئی اور ایک بل سے بار بار ڈسوانے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں۔

ایک دوسری رائے یہ ہو سکتی ہے اور کچھ لوگ پیش بھی کرتے ہیں کہ سب کچھ برداشت کر لیا جائے لیکن تصادم کی راہ نہ اپنائی جائے، اس غرض کے لئے کہ دعوت و تبلیغ کی راہ کھلی رہے۔

قابل غور نکتہ پہلو لیکن یہ بھی کوئی محفوظ اور اپنی ذمہ داریوں سے بری الذمہ ہونے کی راہ نہیں ہے۔ اگر دفاع کی راہ نکالنے کی کوشش

نہیں کی گئی تو مستقبل قریب میں اس کا سخت اندیشہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کی راہیں بالکل بند کر دیں جائیں۔ اور قوی اور تحریری ہر طرح کی دعوتی سرگرمیوں پر پابندی لگادی جائے اور آپ کو ایسا بے بس کر دیا جائے کہ آپ مطلقاً ہاتھ پیر مارنے کے قابل م ذہن تیار نہ ہو، اور عملی میدان میں بھی کچھ تیاریاں نہ ہوں اس وقت تک مقابلہ نہیں کیا جاسکتا بالخصوص جبکہ ہوا کا رخ یہ بتا رہا ہے کہ آئندہ ایکیشنی

مقابلہ نہیں کیا جاسکتا بالخصوص جبکہ ہوا کا رخ یہ بتا رہا ہے کہ آئندہ ایکیشنی

سیاست بھی زیادہ موثر نہ رہ جائے گی اور اگر رہے گی تو بلیٹ بٹ کے زیر سایہ رہے گا۔ آسام، کشمیر اور پنجاب اور آندھرا پردیش کے بعض علاقوں سے آنے والی ہواؤں کا یہ کھلا اشارہ ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ واقعی دعوت یعنی دعوت توحید دی جائے تو کیا تصادم کی فضا، مزید تیزی اور شدت کے ساتھ نہیں بنے گی۔ حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعوت کی راہ میں تصادم سے نہیں بچ سکے تو آج کے دور میں دعوت و تبلیغ کا وہ کونسا طریقہ اپنایا جاسکتا ہے جس سے صرف محبت اور بھائی چارہ ہی کی فضا پیدا ہوگی، اور دارورسن اور ہجرت اور جہاد کے مراحل سے گریز کیا جاسکتا ہے۔

تیسرا قابل غور پہلو یہ ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں وہ کیا دلائل ہیں کہ آپ مدافعت کی استطاعت رکھتے ہوئے بھی مدافعت نہ کریں تو اللہ باز پرس سے بچ جائیں گے۔ ایک ایسا جوان جو قوت و طاقت اپنے جسم میں رکھتا ہے اپنے مال کی اپنی جان اور آبرو کی حفاظت کے لئے حرکت نہ کرے تو شریعت سے پوچھئے کہ اللہ اور رسول کے پاس اس کی کیا حیثیت قرار پاتی ہے اس کے مسلم پڑوسی کی جان اور آبرو پر حملہ کیا جا رہا ہو اور وہ جنبش نہ کرے، تو کیا اس کے ایمان کو خطرہ لاحق نہ ہوگا۔ محلہ کی مسجد کو کچھ لوگ منہدم کرنا چاہیں اور نمازیوں کو نماز سے روکیں اور ایک تو اناسلم نوجوان کے کان پر چوں تک نہ رینگے تو کیا اس کی مسلمائیت میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ الغرض اقدام اور دفاع کے لئے قرآن و سنت میں جہاد کے تمام سے جو ہدایات اور تعلیمات

موجود ہیں، ان کے ہوتے ہوئے اس خیال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل نہیں لائی جاسکتی کہ دعوتی مقاصد کی خاطر اپنی حفاظت اور مدافعت کی بات نہ سوچی جائے اور نہ عملاً کچھ کیا جائے، اور اگر کوئی کھینچ تان کر بات بنانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ کھینچ تان کر ایسے بے شمار دلائل بھی اکٹھا کیے جاسکتے ہیں کہ دعوت و تبلیغ کی اب ضرورت ہی نہیں ہے حق کھل کر آچکا ہے، جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ لہذا یہ دھڑلہ طرز فکر بھی نہ قرین عقل و دانش ہے نہ مطابق دین و شریعت

صحیح جواب | اس کے بعد صرف ایک ہی راہ رہ جاتی ہے کہ دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ حفاظت اور دفاع کی راہ اپنائی جائے اور اس کا حق ادا کیا جائے۔ اور اَعِزُّوْا لِهٰمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ کا بقا ضابطہ پورا کیا جائے۔ اور ان دو چیزوں میں کسی ایک کو چھوڑنا: "اَفْتُوْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْاٰیٰتِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ" کے زمرہ میں داخل ہوگا۔ اور "لَا تُلْقُوْا بِاٰیٰدِیْکُمْ اِلٰی التَّهْلُکَةِ" کی ہدایت کے خلاف ہوگا۔

دعوت اور دفاع دونوں کا ہماری حکمت عملی میں شامل ہونا ایک پہلو ہے اور بھی ضروری اور اہم ہے کہ جس طرح کہ ۲۳ سال کے عرصہ میں نزول وحی اور اسوۂ نبوی کی روشنی میں دین اسلام مکمل ہوا ہے اسی طرح دین و ملت کی خدمت، بقا، حفاظت اور دفاع کے لئے طریقہ اور حکمت عملی شرعی طور سے متعین کی گئی ہے اس کا نام جہاد ہے اور جہاد کے دو شعبے ہیں یا یہ کہا جائے

کہ دو چیزیں، ایک "دعوت" اور دوسرا "دفاع اور قتال"۔

فقہ کی مشہور کتاب "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے :-

فَالْجِهَادُ هُوَ الدُّعَاؤُ إِلَى
الدِّينِ الْحَقِّ وَالْقِتَالُ مَعَ
مَنْ اِمْتَنَعَ وَتَمَرَّدَ عَنْ
الْقَبُولِ اِمَّا بِالنَّفْسِ اَوْ
بِالْمَالِ - "کتاب السیر" کریں -

پس جہاد دین حق کی طرف دعوت
دینا اور ان کے ساتھ جان یا مال کے
ساتھ جنگ کرنا ہے جو کفار کشتی اختیار
کریں اور قبول حق کے مقابل میں سرکشی
کریں -

"جہاد باعتبار لغت جَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ کا مصدر ہے اور
باعتبار شرع دین حق کی طرف دعوت دینا اور دین حق قبول نہ کرنے والوں
کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔" شمس بحوالہ الدر المختار

جس طرح حسب استطاعت پورے دین کو ماننا اور اپنا نا ضروری ہے
اسی طرح شرعی طور سے متعین کردہ حکمت عملی "جہاد" کو بھی استطاعت کے
مطابق ضروری شرائط کی موجودگی میں اپنا نا ضروری اور تقاضائے دین و ایمان
ہے۔ لیکن جہاد کا موضوع آتے ہی غور و فکر کا دائرہ محدود ہی نہیں تقریباً
بند ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ جہاد کے لئے امیر کی اجازت ضروری شرط ہے۔
اور جب ہندوستان میں ہمارا کوئی امیر نہیں تو جہاد کا کوئی سوال -

مگر اس مسئلہ کی گہرائی میں جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل
حقیقت وہ نہیں ہے جو عام طور پر عوام تو عوام اچھے خاصے لوگ سمجھتے ہیں
وجہ اس کی یہ ہے کہ علماء ہند کو اس مسئلہ پر زیادہ سے زیادہ سوچنے اور

کام کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ چنانچہ ہندوستان میں جتنی فقہی کتابیں اردو میں لکھی گئی ہیں ان میں جہاد کا باب عام طور سے ہوتا ہی نہیں جبکہ سلطنت مغلیہ کے زوال سے پہلے کی کتابوں میں جہاد کا باب کتب فقہ میں برابر ملے گا۔ البتہ موجودہ عظیمین جن علاقوں کے مسلمان دشمنان دین سے کشمکش کر رہے ہیں، ان کے یہاں جہاد موضوع گفتگو بنتا ہے اور ان کی نظر اس عنوان پر زیادہ گہری پڑی ہے۔

درحقیقت جہاد کی فرضیت کے لئے امیر کا ہونا ضروری نہیں ہے جس طرح فرضیت نماز کے لئے امام کا ہونا شرط نہیں ہے، البتہ استثنائی حالات کے علاوہ جس طرح عام قاعدہ یہ ہے کہ فرض نماز کسی امام کی امامت میں ادا کی جاتی ہے اسی طرح عام قاعدہ یہ ہے کہ جہاد کسی امیر المومنین کے تحت ہونا چاہیئے اور یہ امر واقعہ ہے کہ جب بھی جہاد ہوا ہے مسلمانوں کے دور عروج میں ہوا ہے جبکہ مسلمان کسی امیر المسلمین کے تحت ہی زندگی گزار رہے ہوتے تھے ایسی صورت میں امیر المومنین کے حکم اور اجازت کے بغیر جہاد کا ہونا کیسے متصور ہو سکتا تھا۔

دو جواب طلب سوال | اس مقام پر دو سوال جواب طلب ہیں

(۱) امیر المومنین کے ہوتے ہوئے اگر کچھ

لوگ بغیر اجازت جہاد کریں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ جب اور جہاں امیر المومنین نہ ہوں وہاں کیا

جہاد کی کوئی صورت ہے؟

پہلے سوال کے جواب میں ہم فقہ کی ایک عبارت پیش کرتے ہیں :-
 ”اگر دار الحرب میں ایسی جماعت داخل ہوتی ہے جسے قوت دفاع
 حاصل تھی یعنی طاقتور جماعت تھی تو ان سے بیت المال کے لئے
 خمس لیا جائے گا اگرچہ جماعت بادشاہ کی اجازت کے بغیر داخل
 ہوتی ہو“ (فتاویٰ عالمگیری)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر اس جماعت کا دھواوا
 بولنا صحیح تسلیم کیا گیا اور اس کو جہاد قرار دیا گیا۔ اس کے برخلاف اگر ایک
 دو آدمی دار الحرب میں جائیں تو ان سے خمس نہیں لیا جائے گا اس لئے کہ وہ
 مال غنیمت کی تعریف میں نہیں آئے گا۔ اور ان کا دھواوا بولنا جہاد متصور
 نہ ہوگا یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ فقہی تفصیلات سے یہ معلوم ہوتا
 ہے کہ اگرچہ ان کا عمل جہاد کی تعریف میں نہیں آتا اور ان کا دھواوا بولنا
 جہاد متصور نہ ہوگا لیکن ان

کا حصہ حصیٹ کر لایا ہوا مال ان کے لئے حلال ہوگا، حرام نہ ہوگا۔
 بہر حال اوپر مذکورہ دونوں فقہی جزیوں پر غور کرنے سے دو باتیں معلوم ہوتی
 ہیں۔ اولاً کہ امیر المومنین کے ہوتے ہوئے بھی اس کی اجازت کے بغیر جہاد
 ہو سکتا ہے، امدد دوسری بات یہ کہ جہاد کے صحیح ہونے اور نہ ہونے میں قوت
 طاقت اور قوت دفاع کی موجودگی بھی ایک معیار ہے۔ ہدایہ کی شرح
 فتح القدیر جلد سابع میں ہے کہ ”شریعت میں وہ زور اور جبر معتبر ہے جو

سلطان کی طرف سے ہو کیونکہ سلطان کو قوت دفاع اور قوت منفعہ حاصل ہے اور جس کے پاس قوت دفاع نہ ہو اس کی جانب سے زور اور طاقت کے استعمال کو شریعت نے معتبر نہیں قرار دیا ہے۔
سلطان کی تعریف شامی جلد میں پڑھئے۔

”شریعت نے سلطان کے بغیر کسی کا زور اور جبر معتبر نہیں مانا ہے، کیونکہ زور جبر کی طاقت قوت دفاع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی اور جس کے پاس قوت دفاع ہو وہ سلطان ہے۔

قوت دفاع کا معیار کیا ہے، یعنی کب یہ کہا جاسکتا ہے کہ اب قوت دفاع حاصل ہو گئی، اس مسئلہ پر کتب فقہ کی مندرجہ ذیل عبارتوں سے روشنی پڑتی ہے:-

”تین آدمیوں کا حکم بھی ایک کا ہے البتہ چارہوں تو خمس لیا جائے گا۔ محیط میں ابو یوسف سے منقول ہے کہ سات آدمیوں کی جماعت از روئے شریعت وہ جماعت نہیں ہے جس کو قوت دفاع حاصل ہو۔ دس آدمیوں کی جماعت ایسی جماعت ہے جس کو قوت دفاع حاصل ہوگی۔“ (فتح القدیر۔)

غناہ میں قوت منفعہ کی تفسیر سر یہ سے کیا ہے، اس تفسیر کو علامہ ناطقی نے ابن شجاع کی کتاب الخراج سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں اگر کوئی ایک آدمی اکیلا دار الحرب میں داخل ہو اس حال میں کہ دار الحرب میں کہیں قریب اسلامی فوج نہ تھی پھر اس آدمی کو

کچھ مال ہاتھ آیا تو اس میں بیت المال کا پانچواں حصہ نہ ہوگا ،
یہاں تک کہ مسلمان حملہ آوروں کی تعداد ۹ تک پہنچ جائے ،
جب نو تک تعداد پہنچ جائے تو یہ سہریہ ہے لہذا اس میں خمس ہوگا۔
معلوم ہوا کہ کفار کے مقابلہ

جہاد کے لئے ضروری تعداد

میں ۹-۱۰ افراد پر مشتمل کوئی جماعت

یا ٹوٹی ہوئی شرعاً اسے باعتبار قوت قوت دفاع کا حامل کہا جاسکتا
ہے اور وہ جو بھی اقدام کریں گے اس کو جہاد کہا جاسکتا ہے انسان کے
سربراہ کو امیر یا سلطان کہا جاسکتا ہے اور اسکی سرکردگی میں جہاد کیا جاسکتا ہے
اور جہاں تک قوت دفاع کیلئے اسلحہ اور دیگر تیاریوں کا سوال ہے اس کا جواب قرآن کے الفاظ
مَا اسْتَطَعْتُمْ میں مل جاتا ہے پھر تینوں سوالوں کا جواب یعنی تعداد
اسلحہ وغیرہ کی مقدار کیا ہو اور حدود واقعہ ار کیا ہو ابو البصیر اور ابو البصیر
کے واقعہ سے ملتا ہے۔

حضرت ابو البصیر مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے ، صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ
آئے ان کے پیچھے ہی مکہ سے ازربن عبد عوف اور انحنس بن شرفی کا
ایک مکتوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مدینہ دو آدمی لائے
کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی رو سے ابو البصیر کو واپس کر دیا جائے حضورؐ نے
ابو البصیر کو بلایا اور فرمایا۔ "ابو البصیر ہم نے اس قوم سے جو عہد کیا ہے وہ
تمہیں معلوم ہے۔ ہمارے دین میں عہد شکنی نہیں ہے ، تم مکہ چلے جاؤ اللہ تعالیٰ
تمہارے لئے اور دوسرے کمزور مسلمانوں کے لئے کوئی راہ پیدا کرے گا۔"

ابوالبیر نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ مجھے مشرکوں کی طرف واپس کر رہے ہیں جو میرا دین برباد کر دیں گے۔ حضورؐ نے پھر فرمایا: ”مکہ چلے جاؤ۔ اللہ کوئی راہ نکلے گا۔“ حضرت ابوالبیر مکہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ لیکن راستہ میں انہوں نے مقام ذوالحلیفہ میں اپنے دونوں پہرہ داروں میں سے ایک کو دھوکہ دے کر قتل کر دیا۔ دوسرا پہرہ دار ڈر کر مدینہ چلا گیا اور وہاں حضورؐ سے ابوالبیر کی شکایت کی۔ اس کے بعد ساتھ ہی ابوالبیر بھی مدینہ پہنچ گئے اور حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی ذمہ داری پوری ہو گئی۔ اس کے بعد ابوالبیر مدینہ سے مقام عیص چلے گئے۔ عیص اس راستہ پر ہے جس سے ہو کر وہ شام جاتے تھے سمندر کے ساحل پر ذوالمرہ کے کنارے واقع ہے۔ مکہ میں جو مسلمان روکے ہوئے تھے وہ اس واقعہ سے واقف ہو چکے تھے اور حضورؐ نے جو کہا تھا اس کو جان چکے تھے اس لئے وہ عیص میں ابوالبیر سے آکر مل گئے اس طرح تقریباً ستر آدمی جمع ہو گئے اور انہوں نے قریشیوں کا قافیہ تنگ کر دیا۔ وہ جس قریشی کو پاتے اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتے اور جو قافلہ ان کے پاس سے گزرتا اس پر چھاپا مارتے۔ جس وقت حضرت ابوالبیر اپنی کارروائی کر رہے تھے اس وقت مدینہ الرسول دارالاسلام کا صدر مقام تھا جس کے سربراہ بذات خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی۔ ابوالبیر اپنے ساتھیوں کو لے کر جو کچھ کر رہے تھے حضورؐ کی اجازت اور حکم سے نہیں کر رہے تھے بلکہ اپنے طور پر کر رہے تھے ورنہ مشرکین ضرور اعتراض کرتے کہ حدیبیہ میں طے شدہ معاہدہ کی

یہ خلاف ورزی ہے پھر بھی آپ کو سب کچھ معلوم تھا جس پر آپ نے کوئی ہتھیار
نکیر نہیں فرمائی جبکہ یہ ناممکن ہے کہ خلاف شرع کوئی کام ہو رہا ہو اور آپ
خاموش رہیں اسی لئے آپ کی خاموشی یعنی اقرار کو شریعت میں ایک
مضبوط دلیل تسلیم کیا جاتا ہے پس آپ کی خاموشی حضرت ابوالبصیر کی
ساری کارروائیوں کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، جو بہت ساری قبیل
و قال کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے کوئی حکمت عملی

موجودہ زمانے میں ابوالبصیر کا نمونہ | آج ابوالبصیر کے اس واقعہ
کو دلیل بنا کر کوئی جتھا کسی

جنگل، پہاڑ یا کسی مقام کو اپنا اڈہ بنا کر دشمنان دین و ملت کو نشانہ بنائے
تو کیونکر غلط ہو سکتا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ حضور کے خاموشی کی وجہ یہ
تھی کہ یہ واقعہ دارالاسلام مدینہ کے باہر ہو رہا تھا اس لئے آپ نے اس
تعرض نہیں فرمایا۔ تو یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ کی رسالت اور نبوت
ساری دنیا کے لئے تھی۔ دنیا میں جہاں کوئی مسلمان ہو گا آپ کے حکم کے
تابع ہو گا۔ حضرت ابوالبصیر آپ کے حدود رسالت و اطاعت کے باہر نہ
تھے۔ اور اگر اس توجیہ کو صحیح مان لیا جائے تو ہمارے مدعا کو مزید ثبوت
اور قوت حاصل ہوگی اور یہ ثابت ہو گا کہ کہیں بھی چند مسلمان اکٹھا ہو کر
دین و ملت کے دشمنوں کے خلاف محاذ آرائی کر سکتے ہیں۔ اور اس کے لئے
یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمانوں کی وسیع پیمانہ پر شرعی حکومت قائم ہو اور وسیع
علاقہ پر امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین کا سکہ جاری ہو۔

دوسرے سوال کا جواب | اب آئیے ہم دوسرے سوال پر غور کریں۔
یعنی جہاں کوئی امیر المؤمنین نہ ہو وہاں جہاد

کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ اس سوال کا جواب بھی پہلے سوال کے جواب میں شامل ہے جس کو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن ایک دوسرے پہلو سے غور کیجئے۔ ہم زیادہ نظری بحث نہ کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ انعقاد جمعہ و نماز عیدین کے لئے بھی امام یا قاضی کی ضرورت ہے اور نکاح و طلاق کے نزاعی معاملات میں مسلم قاضی کا فیصلہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے جیسے ملک میں جہاں امیر نہیں ہے وہاں قاضی کہاں سے آئے گا۔ اور معاملات اور حادثات تو بہر صورت پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں کیا کیا جائے۔ اس مسئلہ کا حل علماء نے یہ نکالا کہ عام مسلمانوں کی جماعت کے فیصلہ کو قضاء قاضی کے برابر قرار دیا جائے اسی بنیاد پر پورے ملک میں جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کی جاتی ہیں۔ اور اسی بنیاد پر ملک کے کئی علاقوں میں شرعی پنچائتیں کام کر رہی ہیں۔ پھر اسی بنیاد پر شریعت میں امام اور امیر المؤمنین کی جو تعریف ہے اس کو محدود کرتے ہوئے پستل لا کی حد تک ایک امیر بنالیا جائے اور وہ قاضی کا تقرر کرے اور وہ قاضی فیصلہ مقدمات کرے تو وہ فیصلہ شرعی فیصلہ تسلیم کر لیا جائے۔ امارت شرعیہ بہار اور امارت ملت اسلامیہ آندھر پردیش اسی بنیاد پر قائم ہیں۔

ایک فقہی نقطہ | اس کی تطبیق شریعت کے بہت سے احکام میں ہیں
مل سکتی ہے کہ فرض اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔ اس

کی ادائیگی کے شرط نہ ہونے کی صورت میں فرض ساقط نہیں ہوتا مثلاً نماز کی ادائیگی کے لئے ستر پوشی ضروری شرط ہے لیکن ستر پوشی کا سامان نہ ملے تو وہ فرض ساقط نہ ہوگا بلکہ فرض ادا کیا جائے گا کیسے ادا کیا جائے گا کسی مفتی سے دریافت کیجئے۔ وضو ادائیگی نماز کے لئے شرط ہے، لیکن پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے کام لیا جائے گا اور اگر کوئی ایسی صورت فرض کی جائے کہ تیمم کرنا بھی ممکن نہ ہو تو نماز کیسے ادا کی جائے کسی مفتی صاحب سے پوچھئے۔ بہر صورت نماز ادا کرتی ہوگی۔ فرض ساقط نہ ہوگا، البتہ بعض شکلوں میں فرض کی شکل بدل سکتی ہے۔

جماعت سازی کی بنیاد | سوال یہ ہے کہ نکاح اور طلاق کے جھگڑے طے کرنے کے لئے ایک ملک

میں بحیثیت تیمم امارت قائم کی جاسکتی ہے تو فریضہ جہاد کی ادائیگی کے لئے کوئی امارت کیوں نہیں قائم کی جاسکتی جو اصل امارت اور اسلامی حکومت کی نسبت سے ویسی ہی ہو جیسے ادائیگی نماز کے اصل وضو کی جگہ تیمم ہوتا ہے۔ اسلامی حکومت نہیں ہے، کوئی ہمارا امیر نہیں ہے تو اس بنیاد پر قیامت تک جاری رہنے والے فرض جہاد کو اپنی دکھتری سے نکال دینا کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔ اور اس کو کسی شکل میں اور کسی درجہ میں باقی نہ رکھنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر فریضہ دعوت و تبلیغ کی ادائیگی کے لئے انجمنیں، تبلیغی جماعت اور جماعت اسلامی کل بند پیمانہ پر امیر اور مامور کی اصطلاح میں بات کر سکتی ہیں اور اپنے دائرہ میں امیر کی اطاعت

کو دینی فریضہ سمجھتی ہیں اور ان کا سمجھنا بجا ہے تو فریضہ جہاد کو ادا کرنے کے لئے کوئی امارت کیوں نہیں بنائی جاسکتی اور اگر ایک ملک میں دعوت و تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے کئی کئی تنظیمیں بنانا روا ہے تو فریضہ جہاد جیسے ہتم بالشان فریضہ کی ادائیگی کے لئے کوئی نظم کیوں نہیں قائم کیا جاسکتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جہاد کے لئے کسی شرعی بنیاد کی نفی جن مرمومات کے تحت کی جاتی ہے ان کو صحیح مان لیا جائے تو کسی کام کے لئے کوئی انجن اور جماعت بنانے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ ساری انجمنیں اور جماعتیں اپنے اپنے کاموں کی اہمیت بتانے کے لئے اور اپنے کارکنوں میں جوش عمل پیدا کرنے کے لئے انہیں آیات اور احادیث اور انہیں مسلمات کو پیش کرتی ہیں جو صریح طور سے جہاد کے لئے قرآن و حدیث میں ہمیں ملتی ہیں۔ مگر جب جہاد کا نام لیا جاتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کے لئے گنجائش نہیں ہے۔

اقدام اور دفاع میں فرق | ایک پہلو مزید سوچنے کا یہ ہے کہ احکام اور شرائط کے اعتبار سے اقدامی جہاد

اور دفاعی جہاد میں آپ کو فرق ملے گا۔ اقدامی جہاد فرض کفایہ ہوتا ہے، لیکن دفاعی جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ اقدامی جہاد میں تعداد کا، جنگی سامان اور وسائل کا لحاظ اور اعتبار کیا گیا ہے۔ اسی طرح اقدامی جہاد میں کئی اور لوگوں سے اجازت لینا ہوتی ہے مثلاً غلام کو اپنے آقا کی اجازت درکار ہوگی، لیکن دفاع کے موقع پر نہ تعداد کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ وسائل جنگ کی کمی بیشی دیکھی جاتی ہے اور نہ کسی کو کسی سے اجازت لینے

کی ضرورت ہوتی ہے، بلکہ ہر ایک کو ہر حالت میں حسب استطاعت دفاعی جہاد میں شرکت کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اسی بنار پر غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت کعب بن مالکؓ اور ان کے دونوں ساتھیوں کو شریک جہاد نہ ہونے کی وجہ سے کیسی عبرتناک سزا دی گئی کہ پچاس دن تک ان سے نہ کوئی سلام و کلام کرتا نہ سلام کا جواب دیتا۔ اور ان کے لئے زمین تنگ ہو کر رہ گئی۔

قرآن میں دفاع کا ذکر | قرآن میں دفاع کا حکم صراحت کے ساتھ دیا گیا ہے۔ لیکن ایک نقطہ قابل لحاظ ہے۔

مکی سورتوں میں حکم دفاع کے ساتھ دو باتوں کی صراحت کی گئی ہے، ایک ظلم سے بڑھ کر بدلہ نہ لیا جائے اور دوسرے یہ کہ صبر کرو تو بہتر ہوگا۔ مدنی سورتوں میں بغیر کسی قید و شرط کے حکم دفاع ہے بلکہ اقدام اور پہل کرنے کی مکی سورتوں میں بھی :-

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ (الشوریٰ ۴۰)

برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عَاقَبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ (النحل ۱۲۶)

اگر تم بدلہ لے لو پس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔

مدنی سورتوں میں :-

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَفْكُرُونَ عَقِبُكُمُ وَلَا تَعْتَدُوا (البقرة ۱۹۰)

اللہ کے لئے لڑو ان لوگوں سے جو تم سے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ مگر زیادتی نہ کرو۔

فَمَنْ أَعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَأَعْتَدُوا عَلَيْهِ (البقرة ۱۹۱)

جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اسی طرح دست دراز کر دو۔ البتہ اللہ سے ڈرتے رہو۔

أَذِنَ لِلَّذِينَ يُقَتِّلُونَ بِأَنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝ اجازت دے دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ
وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ کی جارہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں اور یقیناً اللہ ان
الَّذِينَ أَخْرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَغْيٍ کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے
حَقِّ إِلَّا أَنْ يَمُوتُوا رَبَّنَا اللَّهُ (اصح ۱۹) ناحق نکال دے گئے صرف اس تصور پر کہ وہ کہتے تھے
ہمارا رب اللہ ہے ۝

وَمَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَآخِرُ كِتَابِهِ کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے مروتوں،
لَمْ يَشْعُرُوا بِغَيْرِهِ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمر ہار کر دبا لئے گئے ہیں
وَالْوَلَدَاتِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۝ اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال
میں ہڈیہ القریۃ الظالم اہلہا واجعل لہا من لادُنک حاکم کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی
لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۝ واجعل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ حاکم اور مددگار پیدا کر دے

دفاعِ حدیث میں

۱۔ حضرت ابو موسیٰ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ کو جب کسی قوم سے اندیشہ
ہوتا تو دعا کرتے، اللھم اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نَحْوِہِم وَنَعُوْذُ بِكَ
مِنْ شُرُوْہِم (یعنی اے اللہ ہم ان کے مقابلہ میں تجھ کو کرتے ہیں اور ان
کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔)

۲۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے آپؐ نے فرمایا: لَا تَسْتَعُوْا الْعَا
الْعَدُوْ وَاسْأَلُوْا اللّٰہَ الْعَاقِبَۃَ فَاِذَا الْقِسْمُوْہُمْ فَاَصْبِرُوْا
”دشمن سے مدد بھڑکی تمنا نہ کرو، اللہ سے عاقبت مانگو لیکن مدد بھڑ

ہو جائے تو ڈٹ جاؤ۔

۳۔ بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا
 مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ (جو شخص اپنے مال کی حفاظت میں مارا گیا
 وہ شہید ہے)۔

۴۔ ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں حضرت ابوالاعور سعیدؓ نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 کو فرماتے سنا ہے: مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دَمِهِ
 فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ دِينِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُونَ أَهْلِهِ
 فَهُوَ شَهِيدٌ (جو مارا گیا اپنے مال کی حفاظت میں وہ شہید ہے، جو مارا گیا اپنی
 جان کی حفاظت میں وہ شہید ہے اور جو مارا گیا اپنے دین کی حفاظت میں وہ شہید ہے
 اور جو مارا گیا اپنے اہل و عیال کی حفاظت میں وہ شہید ہے)۔

۵۔ مسلم شریف کی حدیث ہے حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا ایک آدمی حضور کے پاس
 آیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ کا کیا خیال ہے اگر ایک آدمی آئے میرا مال
 چھیننے کے لئے آپ نے فرمایا اس کو اپنا مال نہ دے، سائل نے عرض کیا اگر وہ مجھ
 سے جنگ کرے، فرمایا تو اس سے جنگ کر۔ سائل نے دریافت کیا اگر وہ مجھ کو
 قتل کر دے تو آپ نے فرمایا تو شہید ہوگا۔ پھر سائل بولا اگر میں اس کو قتل کر دیا
 تو آپ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔

۶۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے آپؐ نے فرمایا: مَنْ عَلِمَ الرَّمِيَّ ثُمَّ تَرَكَهُ
 فَلَيْسَ مِنَّا أَوْ فَقَدْ عَمِيَ (جس کو تیر اندازی سیکھائی گئی پھر اس نے
 تیر اندازی چھوڑ دی وہ ہم میں نہیں یا اس نے نافرمانی کی)۔

۷۔ ایک روایت میں حضور کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ ایک تیر کے ذریعہ زمین آدمیوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ بنانے والا جو اس کے بنانے میں حصول خیر کی نیت رکھتا ہو تیر کو پھینکنے والا اور تیر کو اٹھانے والا۔ تیر چلاؤ اور سواری کرو اور تیر چلاؤ سواری کرنے سے بہتر ہے اور جس نے سیکھنے کے بعد بے رغبتی کی وجہ تیر اندازی چھوڑ دی تو اس نے ایک خاص نعمت کو ضائع کر دیا۔

۸۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "آپ نے فرمایا: "الْحَرْبُ خَيْرٌ عِنْدِي (جنگ دھوکہ ہے)

دفاع کی اہمیت "الجهاد في الاسلام" میں دفاع کی اہمیت بتاتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں :-

"قرآن اپنے پیروں میں حمایت حق کی ایسی ناقابل تسخیر روح پیدا کرتا چاہتا ہے جس سے ان کے اندر کسی حال میں بدی و شرارت کے آگے سر جھکانے اور ظلم و طغیان کے تسلط کو قبول کرنے کی کمزوری پیدا نہ ہونے پائے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق انسان کی سب سے بڑی ذات یہ ہے کہ وہ اپنے عیش و آرام یا مال و دولت یا اہل و عیال کی محبت میں مبتلا ہو کر حفاظت حق کی سختیوں سے ڈرنے لگے اور باطل کو طاقتور دیکھ کر اس کی غلامی قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔۔۔۔۔ قرآن جو حقیقت صحیفہ فطرت ہے فطرت کے اس راز کو پوری طرح ملحوظ رکھتا ہے، اسی بنا پر اس نے انسان کو صرف دوراہیں بتائی ہیں یا موت یا شرف۔ زندگی بے شرف کی تیسری راہ اس نے نہیں بتائی چاہے اس کے بدنصیب پیروں نے اپنے ایمان کی کمزوری اور حوصلہ کی پستی سے اس کو خود اختیار کر لیا ہو۔۔۔۔۔ قرآن حکیم نے سب معاملات میں تحمل اور برداشت کی تعلیم دی

ہے مگر ایسے حملہ کو برداشت کرنے کی تعلیم نہیں دی جو دین اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں پر اسلام کے سوا دوسرا نظام مسلط کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس نے سختی کے ساتھ حکم دیا ہے کہ جو کوئی تمہارے انسانی حقوق چھیننے کی کوشش کرے تم پر ظلم و ستم ڈھائے تمہاری جائز ملکیتوں سے تم کو بے دخل کرے، تم سے ایمان و ضمیر کی آزادی سلب کرے، تمہیں اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے سے روکے، تمہارے اجتماعی نظام کو درہم برہم کرنا چاہے اور اس وجہ سے تمہارے درپے آزار ہو کہ تم اسلام کے پیرو ہو تو اس کے مقابلہ میں ہرگز کمزوری نہ دکھاؤ اور اپنی پوری طاقت اس کے اس ظلم کو دفع کرنے میں صرف کرو۔۔۔ ۶۱۔۔۔ دفاع کے ان احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ان دینی فرائض میں جو ان کی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں سب سے بڑا اور سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دین اور اپنے قومی استقلال کی سختی کے ساتھ حفاظت کریں اور اپنے قومی اور دینی وجود کو کسی حال میں فتنہ سے مغلوب نہ ہونے دیں اس کے لئے اسلام نے اپنے پیروں کو جنگ کی محض اجازت ہی نہیں دی بلکہ تاکید کی ہے اور تاکید بھی ایسی سخت جس کی کیفیت اوپر بیان کی گئی ہے۔ مگر حملہ کی صرف یہ ایک صورت نہیں ہے کہ ایک سلطنت باقاعدہ اعلان جنگ کر کے دارالاسلام پر حملہ آور ہو اور اس کو فتح کر کے مسلمانوں کو مٹانے یا غلام بنانے یا ان کی مذہبی آزادی سلب کرنے کی کوشش کرے بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جن سے ایک قوم کے امن و اطمینان اور اس کی اجتماعی زندگی کو خطرہ میں مبتلا کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ اب دفاعی جنگ کی ان تمام صورتوں پر جو سطور بالا میں بیان کی گئی ہیں ایک غائر نظر ڈالیے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ ان سب کے اندر ایک ہی مقصد کام کر رہا ہے اور وہ

یہ کہ مسلمان اپنے دین اور اپنے قومی وجود کو کسی حال میں بدی و شرارت سے مغلوب نہ ہونے دیں اور یہ بدی جس راہ سے بھی خراج کرے خواہ یا ہر سے خواہ اندر سے اس کا سر کچلنے کے لئے ہر وقت مستعد رہیں۔ اللہ کو مسلمانوں سے جو خدمت لینی ہے اس کے لئے اولین ضرورت ان کا فستوں اور خوشوں سے محفوظ رہنا اور ان کا قومی و سیاسی طاقت کا محفوظ رہنا ہے، اگر وہ خود اپنے آپ کو ملتے سے نہ بچائیں اور اندرونی و بیرونی دشمنوں کی فتنہ پردازیوں سے غفلت برت کر اپنے تئیں ان اجتماعی امراض کا شکار ہو جانے دیں جنہوں نے اگلی ظالم قوموں کو ذلت و مسکنت اور غضب الہی میں مبتلا کیا۔ تو ظاہر ہے کہ وہ صرف خود اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں نہ ڈالیں گے بلکہ انسانی کی اس خدمت عظیم کو انجام دینے کے قابل نہ رہیں گے جس کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ اور یہ ان کا صرف اپنے اوپر ہی نہیں بلکہ تمام عالم انسانی پر ظلم ہو گا۔ پس ان کو کھول کھول کر نہایت وضاحت کے ساتھ ساتھ دشمنوں کے نشانات بتا گئے ہیں، جو ان کی بربادی کا موجب بنتے ہیں یا بن سکتے ہیں، اور ایک ایک کا دھڑ توڑ دینے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ وہ دنیا سے ہدایت کے نور کو مٹانے اور عالم گیر اصلاح کے کام میں سدا رہا بننے کے قابل نہ رہیں پھر اس کے لئے صرف اسی وقت تلوار اٹھانے کی ہدایت نہیں کی گئی جب کہ بدی اپنا سر نکالے اور فتنہ پردازی شروع کر دے بلکہ اس کے مقابلہ پر ہر وقت کمر بستہ و مستعد رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ تاکہ اسے سر نکالنے کی جرأت ہی نہ ہو سکے اور اس پر حق کی ایسی ہیبت بیٹھی رہے کہ اس کا دف اندر ہی اندر ہی مرجائے۔

ظالموں اور قاتلوں سے چشم پوشی کرنے والے حکمران :-

جو ظالموں اور قاتلوں کو سزا نہ دے اور ان سے چشم پوشی کرے ایسے حکمران کے مسئلہ پر فتاویٰ عالمگیری کی مندرجہ ذیل عبارت سے روشنی پڑتی ہے ۔

"اگر کوئی مسلمان تاجر امان لے کر دارالحرب میں داخل ہو تو اس پر حرام ہے کہ حربوں کی جانوں یا مالوں سے تعرض کرے، لیکن اگر ان تاجروں کے ساتھ حربیوں کے بادشاہ نے جان بوجھ کر غدر کیا اس طور پر کہ ان کے مال لے لئے یا قید کیا یا اد کسی نے ظلم کیا اور بادشاہ نے جان بوجھ کر منع نہ کیا تو ایسی حالت میں ان تاجروں کو ان کی جانوں و مالوں سے تعرض کرنا منع نہیں ہے، مانند اس شخص کے جس کو اہل حرب قید کر کے لے گئے یا بطور پوروں کے وہ ان کے ملک میں پوشیدہ داخل ہوا کہ اس کو یہ امور مباح ہوتے ہیں، پس اسی طرح ایسے تاجروں کو بھی روا ہے کہ ان کا مال لے لے اور ان کو قتل کرے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

غیر جانبداروں کا مسئلہ ۱۰ ہم جن حالات میں گھرے ہوئے ہیں ان میں اسلام اور مسلم دشمن تنظیموں، سیناؤں

اور دلوں کا معاملہ بالکل صاف ہے کہ انہوں نے اسلام اور مسلم دشمنی کو اپنا مقصد زندگی بنا رکھا ہے اور جو یقیناً تھوڑے ہیں، سوال یہ ہے کہ اکثریت کو کس زمرہ میں شامل کیا جائے اور ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اس کے جواب میں صاحب الجہاد فی الاسلام لکھتے ہیں :-

اس سلسلہ کی سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ محاربین کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے ایک اہل قتال دوسرے غیر اہل قتال۔ اہل قتال وہ ہیں جو عملاً جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا عقلاً و عرفاً حصہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں جو اہل قتال وہ ہیں جو عملاً و عرفاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا عموماً نہیں لیا کرتے مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، مفلوج الاعضاء، مجنون، سیاح، خانقاہ نشین زائد، معیدوں اور مندروں کے مجاور اور ایسے ہی دوسرے بے ضرر لوگ۔ اسلام نے طبقہ اول کے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے اور طبقہ دوم کے لوگوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا ہے۔۔۔۔۔ اس باب میں اسلامی قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص جو اہل قتال سے ہے اس کا قتل جائز ہے خواہ بالفعل لڑے یا نہ لڑے اور ہر وہ شخص جو اہل قتال سے نہیں ہے اس کا قتل ناجائز ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ حقیقتاً لڑائی میں شامل ہو یا مقاتلین کے سے کام کرنے لگے۔

قصور وار اور بے قصور | الجہاد فی الاسلام سے نقل کردہ اور کے اقتباسات سے معلوم ہوا کہ اجتماعی ٹکراؤ اور حالت جنگ میں قصور وار اور بے قصور کی بنیاد پر تفریق نہیں کی جاتی، بلکہ جو آج نہیں کل، صبح نہیں شام، اس وقت نہیں اس وقت مقابل میں کھڑا ہو سکتا ہے ان سب کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ اسلامی شریعت کا یہ اصول عقل عام کے عین مطابق ہے۔ جو گروہ قصور وار اور بے قصور کی کوئی اپنے ہاتھ میں رکھے گا وہ ہمیشہ مار کھائے گا اور کبھی بھی اپنا دفاع نہیں کر سکتا۔ پھر

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جس کو بے قصور سمجھا جاتا ہے وہ بے قصور نہیں ہے، کیونکہ وہ اگر چاقو مارتا نہیں ہے تو چاقو مارنے والے کو پالتا ہے اور اس کے سپورٹ اور پشت پناہی میں رہتا ہے۔ اس طرح وہ قصور میں برابر کا شریک ہے۔ صورت واقعہ کو ایک مثال سے سمجھئے، دس ڈاکو کسی بستی پر دھاوا بولتے ہیں، ان میں سے دو کے پاس بندوق ہے وہ فائر کرتے ہیں کئی لاشیں گر پڑتی ہیں، پھر اگر اس ٹولی کے کچھ افراد بستی والوں کی زد میں آجاتے ہیں تو کیا ان کے لئے فردی ہوگا کہ کوئی اقدام کرنے سے پہلے یہ تحقیق کریں کہ آیا فائرنگ کرنے والے یہی لوگ ہیں، ظاہر ہے یہ تحقیق کبھی بھی نہ ہو سکے گی اور بالآخر روتا نہ ان کے قصہ میں ڈاکہ زنی آئے گی۔ ہاں یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ہر حالت میں قصور وار اور بے قصور کی تفریق کئے بغیر نشانہ بنانا کوئی فرض اور واجب نہیں ہے بلکہ محض جائز ہے، بشرطیکہ اپنے تحفظ اور دفاع کا تعاضا ہو اور اس کا دار و مدار اقدام کرنے والے کی اختیار تمیزی پر ہوگا۔

واللہ اعلم بالصواب۔